گوہر تحقیق Gohar e tehqeeq
گورنمنٹ صادق کالج ویمن یونیورسٹی بہاول پور
Year 2023; Vol 02 (Issue 02)
PP. 63-68 https://journals.gscwu.edu.pk/

ڈاکٹر نائلہ انجم
اسسٹنٹ پروفیسر،لاہور کالج برائے خواتین یونیورسٹی لاہور

نورفاطمہ
ایم ایس ریسرچ اسکالر، لاہور کالج فار ویمن یونیورسٹی لاہور

Dr.Naila Anjum
Assistant Professor, Lahore College For Women University Lahore.

Noor Fatima
MS Research Scholar, Lahore College For Women University Lahore.

اکیسویں صدی کی اردو غزل میں سراپا نگا ری کے رجحانات

The Inclinations towards SARAAPA NIGAARI in the 21st century's Urdu Gazal

Abstract: Taking advantage of love and infusing life with multiple colors is inherent in human's nature. The involuntary inclination towards the beauty of their beloved has been ongoing since the beginning of time, and this tradition will continue. The poets use the term of saraapa nigaari in praising the beloved's beauty from head to toe and every part of the body.In classical poetry, saraapa nigaari has been of great significance. Classical poets have presented the beloved's beauty by using various styles and techniques. The 21st century has brought revolutionary changes in every aspect of life. The modern industrial and materialistic lifestyle has changed many necessities and priorities. As a result, the mood of those embarking on the journey of love has also changed.In 21st century's Urdu Ghazal, saraapay of beloved one are present but there have been changes in the inclinations towards seraapa nigaari. These saraapay are used to express emotions and feelings. From incorporating contemporary topics to experimenting with new perspectives and symbolism, Urdu Ghazal of the 21st century presents a dynamic and vibrant form of saraapa nigaari. In this article the writer will highlight the changing inclinations towards saraapa nigaari in Urdu Ghazal of the 21st century.

Key words: Inclinations, perpetuate, contemporary, desolate, revolutionary, rigmarole, materialistic, secrecy

حسن و عشق سے حظّ اٹھا نا اور اس سے زندگی میں گونا گوں رنگ بھرنا انسانی سرشت میں داخل ہے۔حسن کی جانب بے اختیار مائل ہونے کا یہ سلسلہ ازل سے جاری ہےاور ابد تک جاری رہے گا۔متصوفین کے نزدیک تو ہستی و نیستی کے ہنگامے حُسنِ مطلق کے نت نئےجلوؤں کی مرہونِ منت ہیں۔کائنات کی بسیط فضاؤں میں پھیلے قدرتی

حُسن کی سحر انگیزی کے ساتھ ساتھ محبوب کے ظاہری حُسن اور سراپےکے مختلف زاویے شعرا کے مشاہداتی اور تخلیقی عمل کا حصّہ بنتے ہیں۔محبوب کے بدن کی سر تا پا نظمیہ تعریفوں نے ہر عہد میں سراپا نگاری کے مختلف رجحا نات کو جنم دیا ہے۔ شاعر کے ذہن میں بنتی ،ابھرتی تصویروں کے اجزا فنکارانہ پیکر تراشی کی صورت میں لفظوں میں کچھ یوں ڈھلتے ہیں کہ با طنی و قلبی واردات و کیفیات کا اظہار بھی ممکن ہو جاتا ہےذہن کے نہاں خا نوں میں محفو ظ تصویروں کو الفاظ کا پیراہن عطا کرنے کا عمل شہد کی مکھیوں کا پھولوں سے رس کشید کرکے شہد بنانے جیسا محنت طلب ہےکیونکہ متنوع اور مختلف النوع اوصا ف پر مبنی محبوب کی صفات کو پیش کرنااور اس سے ایک خاص تا ثر قائم کرنا ہرگز آسان نہیں ۔ یہی وجہ ہے کہ تخیل کی بلند پروازی محبوب کے حُسن کو آفاق کی وسعتوں تک پہنچانے کی طاقت رکھتی ہے۔اکیسویں صدی سے ما قبل لکھی گئی اردو غزل پر اپنے عہد کی ادبی روایات اور تہذیبی ورثے کی عکاسی ملتی ہے،جس کے اثرات اکیسویں صدی کی اردو غز ل میں بھی در آئے ہیں۔ اردو غزل پر مو ضو عاتی اور اسلوبی سطح پر مقامی اثرات کے علاوہ دیگر زبان وادبیات مثلاًفارسی اور ہندی کی روایات کی گہری چھاپ ہے۔

غزل کی بے کرانی عشق کے اسرارو رموز اور حُسن کے نت نئے جلوؤں کو بیان کرنے پر مکمل قدرت رکھتی ہےاسی لیے حسن اور متعلقات حسن کا بیان ہر دور کی غزل کا نمایاں پہلو رہا ہے۔محبوب کے جمال کے قصیدے اور اعضا ئے بدن کی تعریف میں رطب اللسان شعرا نے محبوب کا بصری اور حسّیاتی سرا پا کچھ اس طرح پیش کیا ہےکہ یہ زاہد فریب حسن ایک گہرا تاثر قائم کرتا ہے۔ محبوب جو نہ تو پیکرِ موہوم ہے اور نہ صرف شاعر کے تخیل کی پیداوار ہے بلکہ یہ مادی وجود رکھنے والا گوشت پوست کا وہ انسان ہے جس کے سراپے کی دل آویز تصویریں شاعر کا سرمایہ حیات ہیں۔

رومانوی شعرا نے تو فطرت کے حسن کی لطافت ،پُر اسراریت اور خا موش فضا ؤں کو بھی نسوانی حسن کے مما ثل دیکھا ہے۔حُسن کی یہ دل آویز اور دلکش تصا ویر شعرا کی رنگینیٔ بیان اور شوخیٔ طبع کے اظہار کے باعث متنوع رنگوں سے سجی ہوئی ہیں۔

کلاسیکی غزل کے مخصوص مزاج کے باعث محبوب کے مسحو ر کن سراپے نے حُسن کے ہمہ گیر تصور کو جنم دیا،جس کا ذکر اکیسویں صدی کی اردو غزل میں بھی جاری و ساری ہے۔ اگرچہ زمانے کے اندازبدل گئے ہیں،ترقی اور تیز رفتاری نے سماجی زندگی میں تبدیلیاں پیدا کی ہیں،سماجی تعلقات کی نو عیت، میل جول کے انداز بدل گئے ہیں،پسند و نا پسند کے معیار اور پیمانے گزشتہ ادوار جیسے نہیں رہے تا ہم کچھ چیزیں آفاقی حیثیت کی حا مل ہو تی ہیں۔زمانے کی برق رفتاری، سائنس کے نت نئے انکشا فات،ترفع اور ترقی کے منفرد زاویے اور اطوار زندگی کچھ حوالوں سے شکلیں تو ضرور بدلتے ہیں تا ہم بنیادی رجحان وہی رہتا ہے ۔انہیں میں سے ایک محبوب کے حسن کی مبالغہ آمیزی کی حد تک تحسین اور اس کے اعضا ئے بدن کی تعریف کو فنکارانہ انداز اور پر تا ثیر الفاظ کی صورت میں پیش کرنا ہے جو آج بھی شعرا کا مرغوب مو ضوع ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ الفاظ و تراکیب اور صنا ئع بدائع کے استعمال میں کہیں تو روایت کی تقلید ہے اور کہیں انداز کچھ اچھوتا اور منفرد ہے۔

اکیسویں صدی کی غزل میں سراپا نگاری کے بیان میں متقدمین اور متوسطین کی با لواسطہ اور بلا واسطہ پیروی نظر آتی ہے۔محبوب کے جسمانی خدوخال اور صفات کو منفرد طرز سے پیش کرنے کی مثا لیں بھی ملتی ہیں اور روایت کا تتبع بھی:

کون فنکار سنبھالے وہاں مصرعے کی لچک
قافیہ بن کے جہاں تیری کمر آتی ہے (1)
پھول جھڑنے لگے ہار سنگھار کے پیڑ سے
کیا سخن تھا جو دھرتی سے تم نے کہا، میری جان (2)
بھرتی ہے شفق ہونٹوں میں چھوتے ہی افق کو
یہ روشنی لاتے ہیں ترے گال کہاں سے (3)

محبوب کا رُخِ روشن ہمیشہ سے عشاق کے لیے طمانیت اور سکون قلب کا باعث ہے۔محبوب سے جذباتی اور قلبی وابستگی جہاں زیست کے ایک ایک لمحے کو حسین بنا دیتی ہے وہیں اس کے بدن کے زاویے عا شق کے ہوش اڑا دیتے ہیں۔ اس کی نگا ہ ناز کی سحر انگیزی اور دلربائی کے عمدہ طریقے عاشق کا صبرو قرار لو ٹ لیتے ہیں۔ یہ فطرتِ انسانی ہے کہ وہ جس شخص سے محبت کرتا ہے،اسے دیکھنا،چھونا اور اس سے بات چیت کرنا چا

ہتا ہے۔ اس کے نزدیک محبوب ہی دنیا کا حسین ترین انسان ہوتا ہے۔ اس لیے شعرائے کرام محبوب کی سندرتا کو بیان کرنے کے لیے نئے لفظوں اور منفرد انداز کی تلاش میں رہتے ہیں۔

اکیسویں صدی کی اردو غزل میں یوں تو محبوب کے اعضا ئے جسمانی کا تذکرہ با لتفصیل کیا گیا ہےلیکن اس کی آنکھوں کی سحر طرازیوں اور جادو نگاہی کا ذکر خصو صی طور پر ملتا ہے نیز محبوب کے لبوں کی نزاکت،مژگاں،کاجل،سرمہ،پردہ،کلائی،کمر،جبیں اور پاؤں کے متعلق بیان کرتے ہوئے فارسی اور ہندی اسلوب کے اثرات در آئے ہیں:

لب لعلیں کبھی تیوری، کبھی گردن، کبھی سینہ
یہ جب کرتے ہیں سب جنبش تو لذت دار می رقصم (4)
وہ خمار دیدۂ سرمگیں وہ تراش لب وہ خط جبیں
وہ نشاط ساعت اولیں نہ فراق میں نہ وصال میں (5)
فسونِ جنبشِ مژگاں نہ پوچھیئے، سرِ راہ
پکارتے ہی رہے ہم ارے! ارے! ارے دل (6)
نئے نکور یہ نین ترے، نیلے آکاش کے تارے ہیں
یا دو موتی دمک رہے ہیں نیند بھری بیداری میں (7)
اس اجلے نرمل مکھڑے پر یہ دن کا چندن کیونکر ہے (8)
ان سندر کومل آنکھوں میں یہ رات کا کاجل کیسا ہے

محبوب کا لمس حیات بخش ہے۔اس کا سراپا تصوراتی ہو یا مشاہداتی عمل کا نتیجہ تلذذ آمیز ہے۔یہی وجہ ہے کہ محبوب کا تل ،گال،مانگ،کلائی،ناخن،پاؤں،مہندی ،چال ڈھال فرحت بخش ہے۔جمالِ رُخ جاناں کا باریک بینی اور دقیق پہلوؤں سے تذکرہ قاری کے دل میں جذب و مستی کی دل آویز کیفیت تو ضرور پیدا کرتا ہے لیکن اس ضمن میں شاعر مبالغے اوربسا اوقات کفر کی حدوں کو چھو تے نظر آتے ہیں:

بجز سجدہ نہیں ہے داد ممکن
تیرا چہرہ خدا کی شاعری ہے (9)
درجہ کفر سہی مدحِ جمالِ جاناں
دل کی پوچھو تو خدا سے بھی بنا ایک ہی شخص (10)

محبوب کا سراپا بے مثل ہے وہ حسنِ مجسم نا قابل تقسیم خزانے کا مالک ہے۔معشوق کی مسکان سے بجلیاں چمکتی ہیں ۔اس کی دلنشیں آواز سماعتوں میں رس گھولتی ہے ۔ اس کی رنگت کھلتے پھولوں پر فوقیت رکھتی ہے۔اس کےرخسار کندن کی مانند دمکتے ہیں ،اُن پر ایسا گلا ل ہے کہ شفق بھی رُک رُک کے دیکھنے پر مجبور ہے۔غرضیکہ وہ ایسا رنگ و روپ ہے کہ جس کی جتنی تعریف کی جائے کم ہے۔اس لیے اکیسویں صدی کی اردو غزل میں محبوب کے بدن کی جزئیات کا ذکر کرتے ہوئے بصری ،سماعی، شامی، ذوقی، لمسی، عضوی اور عضلاتی سراپا نگاری کی گئی ہے۔ اس ضمن میں محبوب کی خوب صورت تصویریں حواس خمسہ کو متاثر کرتی ہیں:

لفظ تو لفظ یہاں دھوپ نکل آتی ہے
تیری آواز کی بارش میں نہانے کے لیے (11)
کچی کلیاں ہیں کچنار کی چار سو رقص میں
رنگِ رخ جیسے کِیسر میں گوندھا ہوا، میری جاں (12)
میں نے دیکھا تھا کہ تکتی تھی شفق رک رک کے
اس کے رخسار پہ ضوریز گلال ایسا تھا (13)

محبوب کا روشن بدن پا کیزگی اور تقدس کے احساس میں گوندھا ہے ۔اس کے بدن کی تراش اور مخصوص مہک مد ہوش و بے خود کر دیتی ہے۔ محبوب کی سریلی اور اثرانگیز آواز ہو یا شفق رنگ گال، اس مسیحا کے لبوں سے جھرنوں کی مانند نکلتے بول ہوں یا اس کے بدن کی نکہت کا تذکرہ شعرائے کرام نے سراپا بیان کرتے ہوئے انسان کی حسّیات کو متاثرکرنے کا کام بخوبی کیا ہے:

وہ مانگ کہ تھی جیسے برہنہ کوئی شمشیر
کاجل تھا کہ مژگاں پہ کھنچا اور ذرا تیز (14)

وہ بہشتی کٹوریاں ہیں ظفر
لوگ ڈمپل فقط جنہیں مانیں (15)

اکیسویں صدی کی اردو غزل میں سراپا نگاری کے حوالے سے بعض شعرا کے ہاں ناموس عشق اور پاسِ عشق کی بجائے اظہار کی قوت کی طرف زیادہ توجہ ملتی ہے۔ محبوب کے لمس اور اعضائے جسمانی کے حسن میں مبتلا ہونے کا احساس ہے۔سطحی اندازِ بیان لکھنؤی دور کی یاد دلاتا ہے جس میں جنسی پہلو نمایاں ہے اور حزم و احتیاط کا دامن چھٹتا ہوا محسوس ہوتا ہے:

جھیل کے پانی میں جب ڈوبتا ہے اس کا بدن
پھر اسے دیکھتی رہ جاتی ہے، عریانی بھی (16)
ہائے وہ بھیگا ریشمی پیکر
تولیہ کھردار لگے جس کو (17)
ستارے پھول کلیاں منتظر ہیں
کہ وہ بندِ قبا کب کھولتی ہے (18)
اس برہنہ بدن کو چھوتے ہوئے
جل اٹھا ہو گا رات وہ محمل (19)

سراپا نگاری کی یہ مختلف صورتیں انسان کی ذہنی کیفیات کی مظہر ہیں۔سائنسی اور جدید روایت کی پاسداری سے الگ انداز بھی شعرا کی داخلی نظر خارجی محر کات اور اشیا کی سراپا نگاری کے مرقعے تیار کرنے میں مدد گار ہے۔سیاسی ،ثقافتی اور سماجی تبدیلیوں نے ظاہری وضع قطع تبدیل کی ہے۔سائنسی تصورات میں روز افزاں تبدیلی نے محبوب کے سراپا بیان کرنے کے انداز کو بھی متاثر کیا ہے۔ ٹیلی فون پر آوازِ لمسِ یار سے لطف و انبساط حاصل کرنا ، محبوب کی قامت کو سرووسمن کی بجائے بڑی بڑی عمارات کے مثل قرار دینا اور کہیں سمر قند و بخارا کے مقابل رخسار کے تل کو رکھنا اکیسویں صدی کی غز ل کا دلکش انداز ہے:

آئی تھی ٹیلی فون سے آوازِ لمسِ یار
بستر بچھا تھا فرشِ بہشتِ خیال پر (20)
یہ لب و لہجہ یہ آنکھیں نہیں اس دنیا کی
مجھ کو مریخ سے آئی ہوئی تم لگتی ہو (21)
اونچی ہیں اگرچہ تری بستی کی عمارات
لیکن نہیں تیرے قدوقامت سے زیادہ (22)
ایک رخسار پہ دیکھا ہے وہ تل ہم نے بھی
ہو سمر قند مقابل کہ بخارا کم ہے (23)

اکیسویں صدی کا محبوب پردہ اخفا میں نہیں ہے۔اس تک رسائی آسان اور تیز ترین ہے،دیدارِ حسن عام ہے۔اس صدی کے شاعر کو پیکر تراشنے ،حسن کے مرقعے تیار کرنے اور سراپا نگاری کے لیے صرف متخیلہ کا سہارا نہیں لینا پڑتا بلکہ حسن و جمال کے زاویے دکھانے کے لیے مشاہدہ کی قوت بھی کام آتی ہے۔

غزل کے کینوس پر محبوب کے سراپا کے متعلق کی گئی گل کاریوں میں مبالغہ اور رنگ آمیزی کرنے کے جتنے زیادہ ذرائع ہیں اتنے ہی حسن کے یہ قصّے دائمی نہیں رہے۔یہ غبار ہے جو جتنی تیزی سے چھاتا ہے اتنی تیزی سے اُتر بھی جاتا ہے۔محبوب کے آرائشِ جمال کے سامان،سجنے سنورنے کے آلات اور مواقع زیادہ ہیں۔وہ پری رو جو کبھی آسمان سے اترتا محسوس ہوتا تھا اب اس کا فراواں نظا رہ بیزاری اور اکتاہٹ جلدی پیدا کر دیتا ہے۔حسنِ صبیح اور حسنِ ملیح کے قصّے بیان کرتا اور ہجر کی کیفیت میں تڑپتا انسان بے اختیار کہہ اٹھتا ہے:

جبیں،جبیں نہیں رہی، تو مہ جبیں نہیں رہی
نہ لوگ وہ کہیں ملے، نہ تجھ کو آستاں ملے (24)
زردی چھائی ہوئی ہے چہرے پر
حسن باقی نہ دل کشی باقی (25)

آئینے کی ایجاد سے قبل انسان اپنی شکل و صورت کے متعلق تجسس و جستجو کا شکار رہتا تھا ۔ آئینے کی ایجاد کے بعد اپنے حسن کا ادراک،اس کی تعریف، خود کو سراہنا ،خود پسندی اور خود ستائشی کی کئی صورتیں پیدا ہوئیں۔اکیسویں صدی میں خود ستائشی کا یہ رجحان تقویت پکڑ رہا ہے۔اپنی ذات سے پیار اور اپنےسراپا کا ذکر بھی آج پہلے سے کہیں زیادہ ملتا ہے۔اپنے خدوخال کو دیکھنا اور مختلف زاویوں سے خود کو دیکھنے کے اس عمل میں جدید ٹیکنالوجی کا بہت بڑا ہا تھ ہے۔ حسن اور متعلقاتِ حسن کے حوالے سے ذات کی پرستش کا بڑھتا ہوا

احساس پیدا کرنے میں سنیپ چیٹ،بیوٹی کیم،انسٹا گرام اور دیگر ایپس کا ہاتھ ہے۔یہی وجہ ہے کہ اپنے سراپے کو پیش کرنے اور اس کی خود تعریف کرنے کے رجحان میں روز افزوں اضا فہ دیکھنے میں آرہا ہے۔عام اور قبول صورت چہروں کا سراپا بھی قابلِ دیدار اور قابلِ ستائش کہلانے لگتا ہے تو شاعر کہہ اٹھتے ہیں:

دیکھ کر مجھ آئینہ رو کا جمال
آئینہ حیرت میں گم ہو جائے گا (26)
پھول جھڑتے ہیں مرے منہ سے میں جب بولتی ہوں (27)
کوئی لا کر تو دکھا مری نواؤں جیسا

اکیسویں صدی کے بعض شعرا کے ہاں محبوب کے حسین سراپا کا تذکرہ کرتے ہوئے اس کے قائم دائم رہنے کی دعائیں بھی نظر آتی ہیں:

یونہی دائم رہیں تری آنکھیں
یہ مرے آئینے بخیر رہیں
تیرا حسنِ سفر رہے قائم
گل فشاں یونہی تیرے پیر رہیں (28)

اکیسویں صدی کی غزل کا جائزہ یہ بتاتا ہے کہ شاعرات کے ہاں سراپا نگاری کاا نداز ان کی داخلی کیفیات کے ساتھ جڑا ہوا ہے۔مرد اور عورت کی جسمانی سا خت اور جذبا ت میں فرق ہے۔عورت مرد کی نسبتاً زیادہ جذباتی اور جذبات میں زیادہ شدت اور گہرائی رکھتی ہے۔یہی وجہ ہے کہ اس کے محبوب کا سراپا بھی الگ ہے ۔وہ ما ورائی محبوب ہے یا اس کے ہر نفس کا مالک ہے:

خمار آنکھ میں ، چہرے پہ نور، زلفِ سیہ
ٹھہر، ٹھہر کے اسے دیکھتا تھا آئینہ (29)
خوشبو قبائے حرف میں تیرے لبوں سے ہے
تجھ پر نثار دہر کے شیریں سخن تمام (30)
لوٹنے لگتی ہیں ڈوبی ہوئی سانسیں میری
کیسا جادو یہ ترے شعلہ آواز میں ہے (31)
تمہاری پھول سی آنکھوں میں عکسِ شبنم ہے
مجھے نہیں ہے ضرورت کسی بھی گہنے کی (32)

بحیثیت مجموعی دیکھا جائے تو اکیسویں صدی کی غزل میں سراپا نگاری کے وقت انسان کے خارجی اور داخلی مظا ہر کو ساتھ ساتھ رکھا گیا ہے۔خا رجی مظا ہر کی تحریک پر داخلی عناصر کو سموتے ہوئے الفاظ کی صورت میں عکس ریزی کی گئی ہے۔چونکہ تخیل سےتعلق کی بنا پر سراپا نگاری کا تعلق علمِ نفسیات سے جڑ جاتا ہے اس کی حقیقت کی روشنی میں کہا جا سکتا ہے کہ انسان کے لا شعور میں چھپی جنسی و جذباتی خواہشات اسے ہمہ دم محبوب کے تصور کی طرف مائل رکھتی ہیں جنہیں وہ تہذیب کا لبادہ اوڑھا تا ہے۔ غزل میں پیش کیا جانے والا محبوب کا سراپا انسانی جذبات میں اٹھنے والے کہرام کا ہی شاخسانہ ہے۔

اکیسویں صدی کی اردو غزل میں محبوب کے اعضا کی جزئیات کو کلاسیکی روایات کی طرح منظر عام پر لا یا گیا ہے۔اس میں کچھ رنگ الگ اور منفرد ذائقہ لیے ہوئے ہیں اور بعض صورتوں میں اکیسویں صدی سے ما قبل کی گئی سراپا نگاری کی صورتیں نظرآتی ہیں ۔اس صدی میں ہر شعبہ زندگی میں وسیع پیمانے پر تبدیلی آچکی ہے۔عصرِ حاضر کی مشینی اور مادی زندگی نے بہت سی ضروریات اور ترجیحات کو تبدیل کردیاہے۔اس حوالے سے عشق کے سفر پر گامزن ہونے والوں کے مزاج بھی بدل گئے ہیں۔اب عاشق اور محبوب کے پاس چناؤاور انتخاب کے مواقع اور ذرائع زیادہ ہیں۔اس صدی میں سراپا نگاری میں محبوب کے حسن اور شان میں پڑھے جانے والے قصیدے زیادہ دیر پا نہیں۔ محبوب کا حسن آفاقی نہیں چند سالوں پر محیط ہے ۔محبوب اور عاشق دونوں کی زندگی مصروف ہے۔سلسلہ ہائے روزگار نے عرصہ حیات تنگ کر رکھا ہے۔ مادی ضروریات کی تکمیل میں انسان اتنا پریشان ہے کہ عشق بھی گویا ایک کام ہے۔دوسری طرف یہ پہلو بھی بہر طور حقیقت ہے کہ عاشق کی خوشی اور سرمستی کی عارضی کیفیت کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ محبوب کا درشن قدرے آسان ہے،وہ دسترس میں ہے۔دیدارِ عام کی سہولت ہونے کی وجہ سے سراپا نگاری کی وہ باریکیاں نہیں ملتیں جو پہلے ہوا کرتی تھیں۔بعض باتوں کا رسماً ذکر موجود ہے۔

اس دور کی غزل میں محبوب کو سندر کومل ناموں سے پکارنے کا انداز بر قرار ہے۔حسنِ جاناں کے بارے میں خود کلامی کا انداز بھی دیکھا جا سکتا ہے۔آج کے انسان کو یہ ادراک بھی ہے کہ یہ حسن دائمی نہیں۔محبوب کے چہرے کی ضوافشاں تابانی عارضی سہاروں کی مرہونِ منت ہے۔اس لیے اس سے حاصل ہونے والی سرمستی اور سر خوشی کی کیفیت بھی عارضی ہے۔یہی وجہ ہے کہ آج کا آدم بیزار انسان ہر حوالے سے بے زار نظر آتا ہے۔وہ با ہوش دیوانہ ہے۔جو جھیل سی آنکھوں میں ڈوبنے سے قبل نفع و نقصان کو سامنے رکھتا ہے۔اس لیے عکسِ رُخِ یار کی یہ تصویریں کچھ زیادہ مختلف نہیں۔

حوالہ جات

1. رحمان فا رس ۔ عشق بخیر۔ لا ہور: سنگ میل پبلی کیشنز، 2018ء ۔ص 51
2. خا لد شریف ۔ بچھڑا کچھ اس ادا سے۔ لا ہور: ما ورا، طبع چہارم، 2018ء ۔ ص134
3. افضا ل نوید ۔ مجھ پر وجود آیا ہوا ۔ لا ہور: بک ہوم، 2019ء ۔ ص 293
4. صا بر ظفر ۔ سرِ با زار می رقصم ۔ کرا چی: رب پبلشرز، 2013ء۔ ص 21
5. احمد مشتاق ۔ نیا کلام، مشمولہ ،کلیاتِ احمد مشتاق ۔ الہ آباد : شب خون کتاب گھر ، طبع دوم ، 2004ء۔ ص 212
6. ایوب خا ور ۔ بہت کچھ کھو گیا ہے ۔ لا ہور: جہانگیر بکس، 2009ء ۔ص 45
7. اکبر معصو م۔ بے سا ختہ۔ کرا چی: رنگ ادب پبلی کیشنز، 2018ء ۔ ص 87
8. ایضاً۔ ص 90
9. رحمان فا رس ۔ عشق بخیر ۔ س 282
10. عباس تا بش۔ پروں میں شام ڈھلتی ہے، مشمولہ، عشق آباد (کلیات) لا ہور : الحمد پبلی کیشنز، 2011ء۔ ص 489
11. عباس تا بش۔ رقصِ درویش ، مشمولہ ،عشق آبا د (کلیات)۔ ص642
12. خا لد شریف۔ بچھڑا کچھ اس ادا سے۔ ص 134
13. صا بر ظفر ۔ آتش بیگا نگی ۔ کرا چی: رب پبلشرز، 2018ء۔ ص 75
14. سر مد صہبا ئی ۔ پل بھر کا بہشت ۔ لا ہور: دستا ویز ، 2012ء۔ ص 107
15. صا بر ظفر ۔ آئینو ں کی را ہدا ریاں ۔ کرا چی: سٹی بک پوا ئنٹ، 2009ء ۔ ص 76
16. ایضاً
17. اظہر فرا غ۔ ازا لہ ۔ لا ہور : ورا ق پبلی کیشنز ، 2016ء ۔ ص 42
18. خا لد شریف ۔ بچھڑا کچھ اس ادا سے ۔ ص 74
19. صا بر ظفر ۔ ہر چیز کلام کر رہی ہے ۔ فیصل آ باد: مثا ل پبلشرز، 2007ء۔ ص 98
20. منصور آفاق۔نیند کی نوٹ بک۔ لاہور: اساطیر،2004ء۔ص99
21. خالد شریف۔ بچھڑا کچھ اس ادا سے۔ ص 63
22. شہزا د احمد ۔ ایک چرا غ اور بھی ۔۔ لا ہور: الحمد پبلی کیشنز ، 2004ء۔ ص 169
23. با صر سلطا ن کا ظمی۔ چمن کو ئی بھی ہو ، مشمولہ، شجر ہو نے تک (کلیات) ۔ ص 93
24. نجمہ شاہین کھوسہ ،ڈاکٹر۔پھول ،خوشبو اور تارہ ۔لاہور: الحمد پبلی کیشنز،2016ء۔ص117
25. ناہید ورک۔تیرے نام کی آہٹ ۔لاہور:ما ورا پبلشرز،طبع دوم،2013ء ۔ص78
26. راشدہ ماہین۔باغ ۔لاہور: ماورا پبلشرز، 2015ء۔ص158
27. نجمہ شاہین۔آرزوؤں کے دریچے۔ لاہور: مکتبہ فجر،2019ء۔ص64
28. اکبر معصو م ۔ بے سا ختہ۔ ص 95
29. صائمہ کامران۔ پانچواں موسم ۔ لاہور:ماورا پبلشرز،2015ء۔ص72
30. عرفا نہ عزیز ۔حرفِ شیریں۔ لا ہور: خزینہ علم و ادب اردو،2002ء۔ص17
31. صائمہ علی۔دھوپ لوں ہتھیلی پر۔ لاہور: الحمد پبلی کیشنز،2003ء ۔ص54
32. زیب النسا زیبی۔دل میں ہیں آپ۔کراچی: زیبی اینڈ عائزاز پبلی کیشنز،2008ء۔ص127